تصنیف :- ابوالکلام آزاد
ترتیب :- عابد رضا بیدار

آزاد — ایک عظیم صحافی

الہلال اور البلاغ : ہندستانی اخبار نویسی کا ایک اہم باب

اخبار نویسی : بطور دیباچہ ، ۱
صحیفہ نگاری میں تقسیم کار، اور معیار کی اہمیت ، ۲
اخبار نویس کا منصب ، ۳
مسلم گزٹ لکھنو : اخبار نویس کو قلم کی آزادی ، ۴
حادثۂ زمیندار پریس ، ۵
اردو پریس الہلال سے پہلے اور الہلال ، ۶
الہلال کی تحریک : مقصد ، ۷
الہلال کی تحریک : جماعت حزب اللہ ، ۸
الہلال کی تحریک : تشریح مقصد ، ۹
الہلال کی تحریک :- دعوت ، ۱۰
الہلال اپنی نظر میں ، ۱۱
الہلال کی انشاء : چند نمونے ، ۱۲

© عابد رضا بیدار ۔ [illegible]

اگر میری ترتیب پیش کش کے قابل ہوتی تو میں اس کا انتساب کرتا اپنے عہد کے
سب سے بڑے صحافی اور سب سے بڑے مسلمان سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نام
جن کی تحریک سے مجھے شدید اختلاف ہے مگر جن کے خلوص کی قسم
کھائی جا سکتی ہے اور جن کے خون سے سودا کرنے کے باوجود ان سے
اختلاف کرنے والوں کو بھی کچھ کر جانے کا حوصلہ بخشتا ہے۔

الہلال اور البلاغ کی اہمیت، ماہیت اور کیفیت اور اسلوب اور مواد کا تفصیلی تجزیہ اور اس کے ساتھ ان کی مشمولات کا ایک تفصیلی اشاریہ اس سے پہلے پیش کیا جا چکا ہے (اردو ادب "آزاد نمبر") میری زبانی الہلال سے متعارف ہونے کے بعد۔ صحافت، متعلقاتِ صحافت، صحافی کا منصب، صحیفہ نگاری کی تقسیم کا معیار، اردو صحافت میں الہلال کا رول اور الہلال کی تحریک، دعوت اور مقصد و منہاج پر خود ایڈیٹر الہلال کی زبانی کچھ بنیادی تحریریں مولانا کے اپنے قلم سے ہیں۔ میں نے صرف اتنا کیا ہے کہ مختلف بکھری ہوئی جگہوں سے جمع کر کے مناسب عنوانوں کے تحت ترتیب دے دیا ہے۔ "برہان" میں میری اس ترتیب کو "اردو ادب" آزاد نمبر والے مقالے کے دوسرے یا ضمیمے کے طور پر پڑھا جا سکتا ہے۔

موجودہ ترتیب کا سارا مواد میں نے الہلال و البلاغ ہی سے لیا ہے۔ مولانا مہر کی نقشِ آزاد میں ایک اہم خط کو دیکھ کر مجھے اس خول کو توڑ دینا پڑا۔ خط کا متعلقہ حصہ میں نے موجودہ ترتیب کے دیباچے کے طور پر استعمال کر لیا ہے۔

مجھے امید ہے، میری اس ترتیب سے مولانا کے صحافی ذہن کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

(جمیل)

(۱)

انقلاب کے پانچ برس تھے جو میری نظر سے گزرے تھے۔ آپ نے زمیندار سے الگ ہو کر نیا اخبار جاری کیا

لیکن اس سلسلہ میں کوشش نہ کی گئی شاید کی وجہ ایک دوسری شکل ہو۔ جہاں تک مسلک کا تعلق ہے ضرورت نہ تھی کہ کسی تغیر کا اعلان کیا جاتا لیکن کوشش کرنی تھی کہ اس سطح سے نسبتاً بلند سطح لوگوں کے سامنے آئے جو زمیندار کی قائم ہو چکی ہے۔ جہاں تک روزانہ اخبار کا تعلق ہے اردو میں اس وقت تک کوئی بلند کام انجام نہیں پایا اور سعی و تلاش کا پورا میدان باقی ہے۔ اگر آپ تھوڑی سی محنت گوارا کریں تو کم از کم زمیندار کی سطح سے ایک بلند سطح قائم ہو جائے اور جو لوگ زمیندار خریدتے ہیں [illegible] انقلاب کی ضرورت محسوس کریں۔

مثلاً اس پر قناعت نہ کیجئے کہ تار کی خبروں کا ترجمہ کر دینے اور ایڈیٹوریل صفحے کے لکھ دینے کے بعد ایڈیٹوریل اسٹاف کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ مواد اخبار میں ہونا چاہئے۔ اور اس کا بہ آسانی انتظام ہو سکتا ہے۔ عام انگریزی اخبارات میں فوائد اور دلچسپی کی اتنی باتیں ہوتی ہیں کہ اگر کسی ایک اخبار ہی سے کالم نصف کالم کا مواد اخذ کر لیا جائے تو اردو روزانہ کے دو تین کالموں کے لئے بہترین ذخیرہ مہیا ہو سکتا ہے۔ اس کا بہترین طریقہ تو یہ ہوگا کہ دس پندرہ روپیہ ماہوار کا خرچ گوارا کر کے انگلستان کے چند رسائل اور اخبارات منگوا لئے جائیں۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو سکے تو خود ہندستان کے انگریزی اخبارات کافی ہیں۔ "سٹیٹسمین"، "انگلشمین"، "ٹائمز آف انڈیا"، "مدراس ٹائمز"، اور "پایونیر" میں بے شمار چیزیں کام کی ہوتی ہیں، اور ایک اخبار کا ایک قلم بھی انھیں مس نہیں کرتا۔ خصوصاً "سٹیٹسمین" اور "انگلشمین" کے ہفتہ وار پرچوں میں تو اس قدر مفید معلومات ہوتی ہیں کہ صرف انھیں کا اقتباس ہفتہ بھر تک کام دے سکتا ہے۔

اردو میں صرف ترجمہ اور اقتباس سے اس قدر مفید اور دلچسپ اخبار بن سکتا ہے کہ اس کا ہر نمبر پڑھنے والوں کے لئے فوائد و معلومات کا ایک درس ہو۔

عام مسلمانوں کو بلاشبہ سیاسی و معاشرتی معلومات سے دلچسپی نہیں ہے لیکن اگر ہماری اخبار نویسی نا اہلوں سے خالی نہیں ہے تو یہی پیدا کرنی چاہئے۔ عوام کی دلچسپی کی چیزیں لکھی جائیں اس کے ساتھ ہی مفید معلومات بھی [illegible] [illegible] ہر گوشہ میں زمانے کی [illegible] ہندوستان کے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] منزل پر [illegible] [illegible] ہندستان کی سیاسی زندگی کے [illegible] [illegible]

جن مسائل و حوادث کے فہم و تفکر کا سیاسی ذوق پیدا کیا جائے اور ایسی چیزیں ان کی معلومات میں لائی جائیں جن سے ان کی ذہنیت میں بلندی و متانت پیدا ہو۔ دنیا کی عام سیاسی و معاشرتی حالت، دنیا کی مختلف قومی تحریکات، علمی و تمدنی تغیرات، مغرب و مشرق کی کشمکش کے نئے گوشے، مشرقی ممالک و اقوام کی نئی سرگرمیاں اور اسی طرح کی ضروری معلومات سے اگر مسلمانوں کے اخبارات خالی رہیں تو یہ ان کی ذہنی پستی کا سب سے بڑا ذریعہ ہوگا۔ اس سے بھی بڑھ کر روزانہ اخبارات کے لئے لکھنے کی جو چیزیں ہیں، وہ ملک کی سیاسی حالت و نوعیت ہے۔ ہندوؤں کے مقابلے میں بحیثیت جماعت مسلمانوں کی ایک بہت بڑی کوتاہی یہ ہے کہ ان کے عوام ملک کی سیاسی حالت سے جس قدر واقفیت رکھتے ہیں اس قدر ہمارے خواص بھی نہیں رکھتے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ اگرچہ ہندوؤں کے مقابلے میں شور و غل بہت مچایا جاتا ہے، لیکن سیاسی مقابلہ و کشاکش کی صحیح استعداد پیدا کرنے کی کوئی فکر نہیں کرتا۔ ہندوستان جدید اور کانسٹی ٹیوشنل زندگی اختیار کر چکا ہے۔ آئندہ جو کچھ بھی ہوگا، نیابتی اور انتخابی اصولوں پر ہوگا اور زندگی کے ہر میدان میں وہی جماعت کامیاب ہوگی، جو سیاسی زندگی کے لئے صحیح اور طاقتور رائے عامہ اپنے ساتھ رکھے گی۔ نوکریوں اور فرقہ وارانہ حقوق کا بھی تمام تر دار و مدار اسی پر ہے۔ پس ضروری ہے کہ عام مسلمانوں کی سیاسی تعلیم و ترقی کے لئے بکثرت مضامین لکھے جائیں۔ انھیں بتلایا جائے کہ ہندوستان کا نظامِ حکومت کیا ہے، مستقبل کے تغیرات کیا کیا متوقع ہیں، دنیا کے موجودہ سیاسی اصولِ مملکت کس طرح ہندوستان پر منطبق ہو سکتے ہیں، نیابتی اور انتخابی اصولوں سے کیا مقصود ہے؟ اور مسلمان کیونکر ہندوستان میں ایک طاقتور نیابتی زندگی حاصل کر سکتے ہیں؟ یہ مباحث اس قدر سہل اور پیش پا افتادہ ہیں کہ بغیر کسی محنت و کاوش کے لکھے جا سکتے ہیں۔ کم از کم دوسرے تیسرے دن بطور مستقل کالم کے کوئی نہ کوئی پہلو واضح کرنا چاہیے۔ صرف شدھی اور سنگٹھن کو پیٹتے رہنے سے مسلمان طاقتور نہیں ہو جائیں گے۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ چیزیں اس طرح و لکھی جائیں کہ لوگ اکتا نہ جائیں۔ آپ کا اخبار بلند اور عوام کی ... بلند ہے [illegible] مسلمانوں میں وہ سب کچھ لکھتے ہیں جو ... [illegible] ... [illegible] زیر بحث ... [illegible] کم از کم ... [illegible]

(۲)

یورپ میں اخبارات و رسائل اپنی نوعیت اور مقاصد کے لحاظ سے ایک عام تقسیم کے ماتحت ہیں اور ہر نوعیت کا رسالہ اپنے دائرے میں محدود رہ کر تقسیم عمل کے اصول پر کاربند رہتا ہے۔ پہلی قسم روزانہ اخبارات کی ہے ...... دوسری قسم ہفتہ وار رسائل کی ہے جن کو ہم جرنل کہتے ہیں، اور تیسری قسم سہ ماہہ، ماہوار یا مہینے میں دوبار نکلنے والوں بشکل کتاب رسائل کی۔ جرنل گویا روزانہ اخبارات اور ماہوار رسائل میں ایک بین بین برزخی قسم ہے جو اخبارات کے سیاسی مباحث اور ماہوار رسائل کے علمی مقالات کا مجموعہ ہوتا ہے ...... ترکی اور مصر کے پریس کا بھی بہ لحاظِ تقسیم یہی حال ہے۔

مگر اردو پریس میں ابتدا سے عجیب طرح کی طوائف الملوکی رہی۔ پریس کی مشکلات کے سبب (جس کی علت حقیقی ٹائپ کا رائج نہ ہونا تھا) روزانہ اخبارات بالکل نہیں نکلے، صرف ہفتہ وار رسائل نکلتے رہے، لیکن ان کے مضامین کی ترتیب ابتدا سے روزانہ اخبارات کی سی رہی اور سات سات دن پرانی خبروں سے کالم کے کالم سیاہ ہوتے رہے۔ پبلک بھی قلتِ قیمت کے سبب اس کی عادی ہو گئی، اور ہر اخبار سے دو دو سطروں کی خبروں سے لبریز صفحات کا مطالبہ کرتی رہی۔ بہت سے اخبارات نے ماہوار رسائل کی طرح علمی مضامین بھی شائع کرنا شروع کر دیے اور اس میدانِ مسابقت کا گوئے تفوق اس کے ہاتھ رہا جس نے کسی ناول یا ضخیم کتاب کا ترجمہ بھی شائع کرنا شروع کر دیا۔ جن لوگوں سے ہفتہ وار اخبار کی دقتیں برداشت نہیں ہو سکیں انھوں نے ماہوار رسائل نکالے، لیکن جرنل کا مفہوم پیشِ نظر رکھ کر ایک ہفتہ وار رسالہ بھی آج تک شائع نہ ہوا۔

سب سے پہلی بات جو ہمیں اپنے احباب سے عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ وہ الہلال سے اس کے فرائض کا مطالبہ کرتے ہوئے پیشِ نظر رکھیں کہ وہ اخبار نہیں بلکہ ہفتہ وار رسالہ ہے۔[1] ..

موجودہ وقت صرف اس بات کا کام کیا جائے، ہر شعبے میں صرف اس کی ضرورت ہے۔ لیکن مختلف مضامین کو اکٹھا کر دیا گیا کہ ایک رسالہ کا [illegible] ضروری کے لئے [illegible] ہر گز منافی نہیں ہوسکتے

[1] الہلال۔ پہلی جلد کا دوسرا شمارہ۔ ۲۰ جولائی [illegible]

اس کی ہے کہ آج کل نئے رسائل جو شائع ہوں وہ علاوہ جمع مضامین و تحشیہ مؤلفانہ کے کوئی خاص مقصد بھی اپنے سامنے رکھتے ہوں۔ اردو زبان کی نظم و نثر میں ابھی کام کے تمام گوشے خالی ہیں۔

پبلک کا مذاق ارباب صحائف و رسائل کے رحم کا طالب ہے اب کچھ دنوں اردو پریس کی سطح بلند ہونی چاہیئے۔ پیشتر سے جو رسالے نکل رہے ہیں، ان کی محض تقلید کچھ بلند نظری کی بات نہیں، ہر شخص کو اپنے کاموں کے لئے کوئی نئی بلندی ڈھونڈنی چاہیئے۔ سطحی اور بد مذاق مضامین کی اشاعت سے خود ارباب قلم کے سامنے بہت نمونے پیش ہوتے ہیں، اور پبلک کا مذاقِ سلیم زخمی ہوتا ہے۔ رسالوں کی ضخامت نصف کر دی جائے تو حرج نہیں لیکن ہر طرح کے رطب و یابس سے کیا فائدہ۔[1]

نئے اخبارات جو نکلے ہیں یا شائع ہونے والے ہیں، بہتر ہے کہ ان میں مندرجۂ ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے:

یورپ میں روزانہ، ہفتہ وار جرنل، ماہوار اور سہ ماہی کی جو ترتیب اور مضامین و مقاصد کی تقسیم ہے، اس کو ضرور پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ ایک وقت تھا کہ ملک میں اخبار بینی کا مذاق بہت کم تھا، اس لئے تقسیم عمل اس بارے میں ممکن نہ تھا اور ضرورت اس کی تھی کہ جیسے کچھ ہوں مگر اخبارات نکال دیے جائیں۔ مگر اب حالت بدل چکی ہے، پس ضرور ہے کہ رفتہ رفتہ اردو پریس کو صحیح اصولِ تقسیم کار اور ترتیبِ نظام عمل پر لایا جائے اور یہ طوائف الملوکی نہ ہو کہ ہفتہ وار اخبار، روزانہ اخبار کا مواد فراہم کر رہے ہیں اور ہفتہ وار، ماہوار رسائل کے سے مضامین کی تلاش میں رہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ کوئی ایک صنف بھی موجود نہیں، نہ روزانہ روزانہ ہیں، نہ ہفتہ وار ہفتہ وار!

تصاویر اور کارٹون عمدہ اجزاء اخبار و رسائل میں سے ہیں اور موجب ازدیادِ اثر و رونقِ اخبار و وسیلۂ حسنِ تفہیم و تسہیل مطالب و مسائل۔ لیکن کسی کام کے کرنے کے لئے صرف کر دینا ہی شرط نہیں ہے، بلکہ اس طرح کرنا جس طرح دنیا میں کیا جاتا ہے۔ لیتھو کی چھپائی میں تصاویر کا انتظام ممکن نہیں اور اگر ممکن ہے تو اس قدر اعلیٰ درجے کا کام جس کے سہارے کا حق ممکن نہیں، پھر اس سے کیا فائدہ کہ عہدہ ہی

---

[1] الہلال ۲۰: ۱۸، ۱۱ مئی ۱۹۱۳ء

کے دھبوں سے صفحات میلا کر کے مذاقِ سلیم اور حسنِ نظر کو زخمی کیا جائے۔

البتہ کارٹون ممکن ہیں، لیکن یاد رہے کہ کارٹون کو وضع کرنا اور پھر ان کو بنانا ایک مستقل فنِ لطیف و دقیق ہے جس کے یورپ میں خاص خاص ماہرینِ فن ہوتے ہیں اور ان پر ہزارہا روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے دقتِ خیال، نزاکتِ تخیل، سرعتِ فہم، مواد شاعری اور قوتِ مصوری کے ایک ہی دماغ میں ہونے کی ضرورت ہے۔ پھر ایسے قابل مصوروں کی، جن کے سامنے کارٹون کے تمام اجزا لفظوں میں پیش کردیے جائیں اور وہ اس طرح انھیں جامۂ تصویر پہنا دیں، گویا اس کے سوا اور کوئی لباس ان کے لئے موزوں نہ تھا۔

مجکو خود بارہا کارٹون کا خیال ہوا، اور کئی بار بعض لطیف و نازک خاکے ذہن میں آئے، اس کا سامان بھی اور تمام مقامات سے بہتر موجود تھا، مگر میں نے بہتر نہ سمجھا کہ کسی کام کو کیا جائے، اور صاحبِ فن کی حیثیت سے نہ کیا جائے۔

پس اردو اخبارات یا تو کارٹون کا صیغہ بالکل چھوڑ دیں یا اس کی ذمہ داریوں کو پیشِ نظر رکھیں۔ یہ محض تمسخر نہیں ہے بلکہ موجودہ ترقی یافتہ پریس کا ایک رفیع اور اہم کام ہے۔[1]

(۳)

ایک قوم کے مشہور صاحبِ سیاست اور آجکل کی قومی خدمات میں سربرآوردہ بزرگ الہلال کا پہلا نمبر دیکھ کر ارقام فرماتے ہیں:

"... میری طبیعت بے اختیار چاہتی ہے کہ الہلال کی کچھ خدمت انجام دوں... تنہا آپ کہاں تک روپیہ لٹائیں گے، اس لئے بالفعل... کا چک مردانہ خدمت ہے اور آئندہ بھی اتنی ہی رقم بطور اعانت کے ہمیشہ پہنچتی رہے گی..."

ہم بزرگ موصوف کی اس فیاضانہ یاد کے نہایت شکر گزار ہیں، مگر افسوس کہ اپنے احوالِ طبیعت سے مجبور ہونے کی وجہ سے متمتع نہیں ہو سکتے، اور ان کے عطیے کو پوری قدرشناسی کے ساتھ واپس کرتے ہیں۔ ... ہم اس بازار میں سودائے نفع کے لئے نہیں بلکہ تلاشِ زیان و نقصان میں آئے ہیں [illegible]

[1] الہلال [illegible]

بجز نفرت ودشنام کے طلبگار ہیں ... ایسوں کی مدد کرکے آپ کا جی کیا خوش ہوگا۔

پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ چلئے کس مقصد سے ہے، اگر آپ مجھکو خریدنا چاہتے ہیں تو یہ تو مجھ ایک گراں قدر قیمت ہے، میں تو اپنی قیمت میں گلانس کی ایک ٹوکری کو بھی گراں سمجھتا ہوں، شاید چاندی اور سونے میں بچے ہوئے زرد مار کو خریدنے کے لئے اتنا روپیہ مطلوب ہو، ورنہ ہم ایسے خاک نشین درویشوں کی تو ایک پوری جماعت اتنے میں مل جائے، لیکن ہاں اگر اس سے میری رائے، اور میرا ضمیر خریدنا مقصود ہو تو با ادب گزارش ہے کہ ان خزف ریزہائے طلائی کی تو کیا قیمت ہے، کوہ نور اور تخت طاؤس کی دولت بھی جمع کر لیجئے، جب بھی مع آپ کی پوری ریاست کے اس کی قیمت کے آگے ہیچ ہے، یقین کیجئے کہ اس کو سوائے شہنشاہِ حقیقی کے اور کوئی نہیں خرید سکتا اور وہ ایک بار خرید چکا:

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا   یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

ہمارے عقیدے میں تو جو اخبار اپنی قیمت کے سوا کسی انسان یا جماعت سے کوئی رقم لینا جائز سمجھتا ہے، وہ اخبار نہیں، بلکہ اس فن کے لئے ایک دھبہ ہے اور سرتاسر عار ہے، ہم اخبار نویسی کی سطح کو بہت بلندی پر دیکھتے ہیں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرض ادا کرنے والی جماعت سمجھتے ہیں: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۳ : ۱۰۴) پس اخبار نویس کے قلم کو ہر طرح کے دباؤ سے آزاد ہونا چاہیئے، اور چاندی سونے کا تو سایہ بھی اس کے لئے سمِ قاتل ہے۔ جو اخبار نویس رئیسوں کی فیاضیوں اور امیروں کے عطیوں کو قومی اعانت، قومی عطیہ اور اسی طرح کے فرضی ناموں سے قبول کر لیتے ہیں وہ بہ نسبت اس کے کہ اپنے ضمیر اور نورِ ایمان کو بیچیں، بہتر ہے کہ دریوزہ گری کی جھولی گلے میں ڈال کر، اور قلندروں کی جگہ قلمدان لے کر رئیسوں کی ڈیوڑھیوں پر گشت لگائیں اور ہر گلی کوچے کا م ایڈیٹر لو کی صدا لگا کر خود اپنے تئیں فروخت کرتے رہیں۔[1]

(۴)

مسلم گزٹ کے معاملات کی نسبت ... میں نے ... ایک مسلم گزٹ صرف قوم کی خاطر جاری کیا ...

[1] الہلال، ۱: ۳، ۲۰ جولائی ۱۹۱۲ء

وحید الدین صاحب سلیم کی علیحدگی کے متعلق جو واقعہ سننے میں آیا ہے وہ یہ ہے یا نہیں۔

اس کے بعد مسلم گزٹ کا ایک پرچہ آیا جس کے پہلے صفحے پر مولوی صاحب کی علیحدگی کی خبر اور ان کی پچھلی خدمات کا اعتراف تھا اور سب سے آخری صفحے پر اشتہارات کے اندر چھپا ہوا اخبار دہلی کے متعلق بھی ایک نوٹ تھا جس میں کہا تھا کہ مسلم گزٹ میں بعض مضامین قابلِ اعتراض نکل گئے ان کے متعلق افسوس اور آئندہ کے لئے احتیاط۔ ۔ ۔ ۔

یہ سوال کسی شخص کو ایڈیٹری سے برطرف کر دینے کا نہیں ہے، ہر شخص جو کسی کو اپنی ملازمت کے لئے رکھتا ہے حق رکھتا ہے کہ جب چاہے علیحدہ بھی کر دے۔ یہ سوال مولوی سید وحید الدین صاحب کی ذات خاص کا بھی نہیں ہے۔ اگر کسی وجہ سے وہ علیحدہ کر دیئے گئے یا ہو گئے تو اس کا اثر مسلم گزٹ پر کیا پڑ سکتا ہے؟ یا ان باتوں پر کیا پڑ سکتا ہے جن کی وجہ سے لوگ مسلم گزٹ کو پسند کرتے یا برا سمجھتے تھے؟ اس طرح کے تغیرات ہمیشہ کاموں میں ہوا کرتے ہیں اور اگر کوئی کام نیک اور اچھا ہے، تو اس کی زندگی کسی شخص کی زندگی یا عدم موجودگی پر موقوف نہیں۔ مولوی صاحب جب مسلم گزٹ کے دفتر میں آئے ہیں تو ان خیالات کو لے کر نہیں آئے تھے جن کی وجہ سے مسلم گزٹ کو شہرت ہو گئی۔ ان کو مسلم لیگ کی مخالفت کا بالکل خیال نہ تھا۔ نہ تو سیاسی مباحث سے دلچسپی رکھتے تھے اور نہ مسلمانوں کی پولیٹیکل روش کے متعلق کوئی انقلابی خیال ان کے پیش نظر تھا۔

تاہم مسلم گزٹ نکلا تو حالات جمع ہوئے اور اس کے صفحات سے اصلاح وغیرہ کی صدا بلند ہوئی، مسلم لیگ علی گڑھ پارٹی، ہز ہائی نس سر آغا خان کے متعلق اس نے مخالفت اور نکتہ چینی شروع کر دی اور مسلم لیگ کے اس تغیر میں پورا حصہ لیا، جس کی وجہ سے اس کو اپنا نظام بدلنا پڑا۔

بس اسی طرح اب اگر وہ مسلم گزٹ سے علیحدہ کر دیئے گئے تو وہ لوگ مسلم گزٹ کے کام کو تمام کر سکتے ہیں اور آزادی کی تحریک میں زندگی ہے تو وہ خود اپنا سامان کرنے لگی، کوئی ہاتھ قلم پکڑ کر [illegible] اس کے جھنڈے کو تھامے رہے گا۔

یہ سب سچ ہے اور یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے جس کو ہر شخص تسلیم کرے گا، مگر اصل سوال یہ نہیں بلکہ یہ تغیر ان اسباب و حالات کے ماتحت ہوا ہو جو ہمیشہ کاروباری دنیا میں تغیر کرتے رہتے ہیں تو [illegible]

جو اعتراض دشمنی مگر مشکل یہ ہے کہ:

دوست نے خاطرِ دشمن سے کیا مجھ کو ہلاک　　رنج یہ ہے کہ وہ کم حوصلہ نازاں ہوگا

پریس ایکٹ جن حالات کے ساتھ وقوع میں آیا ہے جس نے مسلمانوں کے موجودہ اعمال و اصول پرستی و حریت پسندی کے میدانِ وجود و عروج میں اصول کی سب سے بڑی ترقی کی ہے اور آئندہ کے لئے استبداد [illegible] و ضعفِ رائے و تزلزلِ اقدام و عدمِ ثباتِ کار و اصول و فکر کی ایک ایسی مثالِ منحوس و نظیرِ منحوس قائم کر دی ہے جس نے ہمیشہ کے لئے پریس کی اندرونی آزادی کو خاک میں ملا دیا، اور ان مہلک نقصانات سے کہیں زیادہ نقصان ہندوستانی پریس کو پہنچایا جو پریس ایکٹ کا حربۂ بے امان پہنچا رہا ہے۔

پریس ایکٹ کے بموجب پریس کی ضمانت لی جا سکتی ہے پھر یہی ضمانت ضبط کی جا سکتی ہے، پرچے ضبط کر لیے جا سکتے ہیں، انتہائی صورت ہو تو پریس کا سارا سامان بھی ضبط کیا جا سکتا ہے۔ تاہم یہ تمام زنجیریں ہمارے خارجی اعمال و قویٰ کے گرد لپٹتی ہیں اور خواہ ان کی آہنی بندش ہم کو گھر سے باہر تنہا ہی مقید کر دے، لیکن اپنے گھر کے اندر، اپنے دفتر کی میز کے سامنے، اپنے قلمدان سے کام لیتے ہوئے، ہم بالکل آزاد ہیں۔ لیکن مسلم گزٹ کا ضعیف القلب مالک اس پر قانع نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ ہمارے اندرونی نظم و نسق کی آزادی بھی ہم سے چھین لی جائے، اور جب کہ ہمارے دفاتر کے دروازے سی آئی ڈی کے غیر موثر احتساب کا جو ڈنکا بجے ہوتے ہیں تو ہمارے کاروبار کی میز کے سامنے بھی ایک سخت موثر مداخلت کا پہرہ بٹھا دے؟!

اس نے حکام کی اندرونی اور غیر باقاعدہ مداخلت کی سعی کو اپنے ضعفِ قلبی کے ہاتھوں کامیاب کر دیا اور اس طرح ہمیشہ کے لئے ایک نیا حربہ خود ڈھال کر پریس کے حریفوں کو دیدیا۔۔۔[1]

مسلم گزٹ غالباً آجکل میں بند ہو جائے گا اگر ان حالات کے بعد اس کا بند ہو جانا ہی بہتر ہے۔۔۔۔

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ معلوم ہوا مسلم گزٹ بند ہو گیا ہے۔[2]

۱؎ الہلال ۳: ۱۴، یکم اکتوبر ۱۹۱۳ء

۲؎ الہلال ۳: ۱۵، ۸ اکتوبر ۱۹۱۳ء

(۵)

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۔ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ۔

اے لوگو! میں تمہیں اپنے پروردگار کا حکم سناتا ہوں۔ اور یقین کرو کہ میں تمہارے لئے ایک دیانت دار ناصح ہوں۔ میں کبھی اعلان حق میں خیانت نہیں کروں گا

زمیندار پریس لاہور سے دو ہزار کی ضمانت لی گئی تھی۔ اس کے بعد دس ہزار کی طلب کی گئی۔ اب وہ دس ہزار بھی ضبط کر لئے گئے اور پریس کا تمام سامان اور مشینیں بھی... بنیاد چند مضامین قرار دیئے گئے ہیں جو باوجود حیا کے واقعہ عید الضحیٰ پر نکلے تھے اور ایک مضمون مسٹر ظفر علی خاں کا جو انہوں نے لنڈن سے لکھ کر بھیجا تھا...

آج ہمارے اس جانب بسنے والوں میں کون ہے جو مجرم نہیں ہے۔

ملکوں اور قوموں کی تاریخ میں ایک وقت آتا ہے جب کہ انسانوں کے لئے زندگی کی خواہش معصیت ہو جاتی ہے اور زندہ رہنے سے بڑھ کر اور کوئی جرم نہیں ہوتا۔

جب کہ اونچی اونچی دیواروں اور آہنی دروازوں کی آبادی بڑھ جاتی ہے.. جب کہ درختوں کی ٹہنیوں میں رسیاں لٹکائی جاتی ہیں، اور جب کہ لکڑی کے تختے بنائے جاتے ہیں، تاکہ فرزندانِ آدم ان پر کھڑے ہوں۔ یہ وقت آتا ہے اور انقلابِ امم کے ایک قانون کے ماتحت گزر جاتا ہے، اور پھر ہلاکت کا ہر دانہ جو زمین میں ڈالا گیا تھا نئے موسم کے شروع ہوتے ہی زندگی اور حیاتِ قائم و دائم کا پھل پیدا کر دیتا ہے...

خدا کی یہی مرضی معلوم ہوتی ہے کہ اب ہندوستان کے مسلمان جاگیں، اور اس طرح جاگیں کہ پھر انہیں کوئی سلا نہ سکے...

جنگِ عظیم نے زمین ہلا دی، اور تقسیم ہند کی سرخی نے اس میں [illegible] کی ضرورت تھی جو برسے اور آفتاب کی ضرورت تھی جو گرمی پہنچائے۔ پس جنگ بلقان نے بارش کا فرض انجام دیا اور اس کے بعد ہی [illegible] کے افق پر آفتاب عالم نے سرخ نقاب اٹھا کر چہرہ

دکھلا دیا۔ یہ سب کچھ اس بیج کی پرورش کے لئے کافی تھا، لیکن کیا کیجئے کہ دہقان کی غفلت بھی شدید تھی اور زمینداران مزاحمت سے کسی طرح بھی خالی نہ تھیں۔ سبب ظاہر تھا کہ خود قدرتِ الٰہی ہی ان کا سامان کرتی، اور جس پانی کے برسے بغیر بیج بار آور نہیں ہو سکتا، اس کی آبپاشی نہ کرتی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور زمیندار پریس کی ضبطی سے اس بارشِ نشو و نمائی انتہا ہوگئی ہے . . .

. . . میرے دوستوں کو معلوم ہے کہ میں شخصاً زمیندار کی بہت سی کمزوریوں کا نہ صرف شاکی، بلکہ واقعی طور پر متالم و متاذی تھا۔ میں اس کی طرزِ تحریر و انشاء مضامین کو پسند نہیں کرتا تھا۔ مجھے اس میں بہت زیادہ عامیت اور سوقیت نظر آتی تھی . . . . اشخاص کی بحث کے انہماک کو میں پسند نہیں کرتا، اور چاہتا ہوں کہ ہر شخص نکتہ چینی و احتساب کی بنیاد اصول کے وعظ پر رکھے . . . زمیندار میں اشخاص کا مسئلہ حدِ اعتدال سے گذر گیا تھا اور بسا اوقات جس عامیانہ و سوقیانہ انداز میں دادِ ظرافت دی جاتی تھی اس سے اخبار بین پبلک کے مذاق کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔

بعض مسائل کے متعلق اس کی غلطیاں بھی شدید تھیں۔ مسئلہ کانپور کے فیصلے پر جس طرح اس نے خوشی ظاہر کی، اور جو مضامین لکھے انھوں نے فیصلے کی صورتِ اصل کے خلاف ایک دوسری صورت لوگوں کے ذہن میں پیدا کر دی۔

اس کے مقامی اور معاصرانہ نزاعات بھی ہمیشہ مجھ کو دکھ پہنچاتے رہے۔

تاہم اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اس کی نیکیاں اس کی غلطیوں سے زیادہ تھیں . . .

وَاِنَّمَا الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَات : اور نیکیاں برائیوں کو محو کر دیتی ہیں۔

روزنامہ زمیندار کی اشاعت سے پہلے اخبار بینی صرف طبقۂ خواص میں محدود تھی، اور عام بیداری و احساس کے پیدا ہونے میں یہ ایک ایسا مانعِ عظیم تھا جس کی وجہ سے کوئی تحریک اور کوئی آواز عام قوت و اثر پیدا نہیں کر سکتی تھی۔ جنگِ طرابلس نے قوم کے تمام طبقات کو خبروں کا مشتاق بنا دیا، اور زمیندار کی عام مقبولیت شروع ہوگئی۔ اس کی اشاعت بیس بیس ہزار تک [illegible] فہم ہونے نے اسے عام کا قدر دان اور بازار کے بیٹھنے والوں تک پہنچا [illegible]

علی الصباح اس طرح زمیندار کا خواہشمند ہوتا تھا گویا یورپ اور امریکا کا ایک تعلیم یافتہ تازہ تار کے وقت مطالعۂ اخبار کے لئے بے قرار ہے۔ اس نے گو ابتدا میں ہندوستان کے معاملات کے متعلق کچھ نہ لکھا اور مسلمانوں کی سیاسی حالت پر بھی کوئی توجہ نہ کی، تاہم اس نے جن جن معاملات کو لکھا آزادی اور جرأت کے ساتھ لکھا اور اپنے پڑھنے والوں میں یقیناً زندگی کی ایک روح پیدا کر دی۔

اس کے بعد حالات میں مزید تغیرات ہوئے اور زمیندار نے بیرون ہند کے اسلامی مسائل کے علاوہ ہندوستان کے سیاسی مسائل ... کے متعلق بھی لکھنا شروع کیا، گو اس سے بے اعتدالیاں ہوئی ہوں، لیکن اس میں شک نہیں کہ اصولاً اس نے ہمیشہ آزادی کے ساتھ اظہار خیال کی سعی کی۔

وہ روزانہ تھا اور متفرق فروخت ہوتا تھا، ایک پیسہ یا دو پیسے دے کر ہر شخص اسے خرید سکتا تھا۔ گذشتہ دو سال کے تغیرات و حالات نے خود بخود اسے مقبولِ عام بنا دیا تھا، قوم کے ہر طبقے میں روزانہ پڑھا جاتا تھا۔ ان تمام اسباب کی وجہ سے وہ ایک بہت بڑی قوت تھی جو حسنِ اتفاق سے پیدا ہو گئی تھی، اور ایک ایسا وسیلہ و ذریعہ تھا جس کے ذریعہ ہر روز ہزاروں مسلمانوں کے اندر بیک وقت زندگی پیدا کی جا سکتی تھی۔ اس قسم کے وسائل ہر وقت حاصل نہیں ہو سکتے، اور نہ تغیرات و حوادث کا موسم ہمیشہ رہا کرتا ہے۔

پس زمیندار کا بند ہونا فی الحقیقت مسلمانانِ ہند کے لئے ایک عظیم ضائعاتِ ملیہ میں سے ہے اور تمام قوم عند اللہ اس غفلت کے لئے جوابدہ ہے جس نے حریفِ قوی پنجہ کو ایسا کرنے کی فرصت دی، اور پھر اس کے لئے بالکل خاموش اور مُردوں کی سی بے حسی گوارا کر لی۔

پھر کوئی ہے جو اس غفلتِ موت آور اور اس سرشاریٔ مسموم، اس سکونِ ممات اور اس ھل اسحر باطل کے پردے کو چاک کر دے؟ فاین شرف الاسلام و این مجد المسلمین؟ ھل فقد المسلمون کل ذلک؟ ام علی قلوب اقفالھا؟

بال بکشا و صفیر از شجرِ طوبیٰ زن   حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیرِ قفسی

میں آج پھر اپنے بھائیوں کو بلاتا ہوں اور ہر شخص کو جو وقت کا درد مندی کی غفلت سے ناامید ہو کر ... گمنام نہ ہونے کا خواہشمند ہے، اپنے دل کے درد اور دکھ کی آواز میں دعوت دیتا ہوں کہ [illegible]

کا فیصلہ بھی نہیں ہوا۔ لہٰذا اس موقع پر زمیندار کے مسئلہ کو موجودہ تحریک کے تمام دوسرے متعلقہ مسائل سے علیحدہ سمجھیں۔ اس زبان و قوت سے جو خدا نے دی ہے حیف ہے اگر آج کام نہ لیا جائے ..... یہ کوئی وفاداری یا غیر وفاداری کا سوال نہیں ہے، یہ باغیانہ ایجی ٹیشن یا شورش پسندی کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ محض ایک قانونی مسئلہ ہے ایک جابرانہ قانون کا نفاذ و عمل اور بعض گورنمنٹوں کے عاقبت نااندیشانہ اقدامات کے خلاف قوت حق و عدل کے ساتھ احتجاج کرنا ہے اور بس . . . . . .

آج ملی اعلان یہ ہے کہ اگر مسلمان اپنی زندگی کے دلوں سے ناامید نہیں ہو چکے، تو انھیں چاہیے کہ زمیندار کے مسئلہ کے متعلق، پورے اتحاد، سچے جوش، مگر باقاعدہ اور پرامن طریقے سے اپنی صدائیں بلند کریں، اور اس وقت تک دم نہ لیں جب تک کہ اس ضبطی کے حکم پر نظر ثانی نہ کی جائے . . . . مسئلہ کانپور کے بعد عام طور سے خاموشی چھا گئی تھی . . . زمیندار پریس کی ضبطی کا واقعہ وہ نیا قدم ہے جو سکون کے بعد بے چینی پیدا کرنے کے لئے اٹھایا گیا ہے۔ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا . . . .

. . . دلوں کا طوفان صرف کسی اخبار کے دفتر ہی میں نہیں ہے، جس کے بند کر دینے کے بعد فضا صاف ہو جائیگی۔ اگر حق و صداقت کی پیدا کی ہوئی زندگی چند پریسوں کے بند کر دینے کے بعد مر جا سکتی ہے، تو بہتر ہے کہ اس کا بھی تجربہ ہو جائے۔

(۶)

ہندستان میں پریس کی اشاعت و ترویج پر ایک صدی سے زیادہ زمانہ گذر چکا ہے ۱۷۹۸ء کی چھپی ہوئی کتاب میرے پاس موجود ہے۔ اس عرصے میں صدہا اخبارات و رسائل اردو زبان میں نکلے، اور نئی تعلیم کی اشاعت نے نئے قسم کے کاموں کا ذوق بھی ایک بڑے وسیع حلقہ میں پیدا کر دیا۔ لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ پورے سو برس کے اندر ایک چھوٹی سے چھوٹی مثال بھی اس کی نہیں ملتی کہ یورپ کے ترقی یافتہ نمونے پر کوئی عمدہ رسالہ یا میگزین ہی اردو میں نکالا گیا ہو، اور اس کی ایک ناکام کوشش ہی چند دن کے لئے کی گئی ہو۔

ہفتہ وار اخبارات پر بھی مسلمانوں کی توجہ ہوئی۔ نیا و قدیم قسم کے اخبار نکالے گئے، اور اپنی پر سب

الہلال ۳۰؛ ۱۹۱۳/۱۱۱ — ۷ جنوری ۱۹۱۳ء

اشاعت کرلی۔ یا تو ماہوار علمی و ادبی رسائل نکلے جن میں رسالہ حسن حیدرآباد، اور پادری رجب علی کے پنجاب ریویو کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد اکثر کی ضخامت تیس چالیس صفحے سے زیادہ نہ ہوتی تھی یا پھر ہفتہ وار مجلات نکلے جو زیادہ تر پنجاب سے شائع ہوئے اور دو چار پرچوں نے بہتر معیار نامہ نگاری کی کوشش کی۔

پھر ان کا یہ حال تھا کہ یورپ کے پریس کی طرح کوئی تقسیم مرتب نظر نہ تھی۔ کبھی ہفتہ وار سے روزانہ کی تاربرقیوں اور دنیا بھر کی خبروں کے اکٹھا کر دینے کا کام لیا جاتا تھا، اور کبھی ان میں ہفتہ وار جرنل اور میگزینوں کی تقلید کر کے چند تاریخی مضامین لوگوں سے لکھوا کر شائع کر دیے جاتے۔ قصے یا خریداروں کی دلچسپی کے لئے کوئی ناول شروع کر دیا جاتا تھا۔ سب سے بڑی چیز خود ایڈیٹر یا ایڈیٹوریل اسٹاف کی تلاش و محنت ہے۔ مگر یہ چیز اردو پریس میں ہمیشہ سے مفقود رہی۔ ایڈیٹری کا مفہوم اس سے زیادہ نہ تھا کہ باہر کی بھیجی ہوئی مراسلات کو ایک ترتیبِ خاص کے ساتھ کاتب کو دیتے جانا، اور جب صفحات ختم ہو جائیں تو اخیر میں ایک دو کالم لکھ کر شائع کر دینا۔ یہی حال ہفتہ وار اخبارات کا تھا اور یہی ماہوار رسائل کا۔ مجھے ایسے اخباروں اور رسالوں کا حال بالکل نہیں معلوم جن میں خود ایڈیٹر یا ایڈیٹوریل اسٹاف اول سے آخر تک مضامین لکھتا ہو یا خاص اہتمام سے لکھوائے جاتے ہوں۔ اخبار اور رسالے کا ایک علمی یا ادبی معیار ابتداء سے قائم کر لینا پھر صرف انھیں چیزوں کو درج کرنا جو ان کے مطابق ہوں، اس کا تو شاید خیال بھی بہت کم لوگوں کو ہوا ہوگا۔ (تہذیب الاخلاق اس بحث سے مستثنیٰ ہے) ....

...... پس جو کام پوری ایک صدی کی حیاتِ طباعت و صحافت میں کوئی بڑی سے بڑی جماعت اور کمپنی نہ کر سکی تھی اسے الہلال نے متوکلاً علی اللہ محض ایک فردِ واحد کے دل و دماغ اور علمی اسباب و وسائل کے ساتھ یکایک شروع کر دیا، اور اس حالت میں شروع کیا کہ نہ تو سرمایہ کے لئے کوئی مشترک کمپنی تھی، نہ انتظام و ادارہ کے لئے کوئی جماعت۔ نہ تو ایڈیٹوریل اسٹاف کے لئے اہل قلم کی ایک مستعد جماعت [illegible] ملک میں ارباب تصنیف و تالیف کا کوئی گروہ موجود، یورپ کی طرح [illegible] [illegible] ایک ہی قلم [illegible] [illegible] مسائل و مباحث پر بحث ہوتی تھی [illegible]

تھے، بھی ابواب و تراجم کی بھی فکر کی جاتی تھی اور ان سب میں اپنے انداز مخصوص اور معیار کا بھی قائم رکھنا ضروری تھا۔

پھر ایک خاص مقصد دینی اور دعوتِ اسلامی کا اعلان بھی اس کے پیشِ نظر تھا، اور اپنے سیاسی معتقدات کی وجہ سے (جو اس کے عقیدے میں اس کے خالص دینی معتقدات تھے) طرح طرح کے موانع و مصائب سے بھی ہر آن و ہر لمحہ دوچار رہنا پڑتا تھا ....

... جب کبھی الہلال کے کاموں پر نظر ڈالی بھی گئی تو صرف دعوتِ دینیہ کے احیاء ہی کا تذکرہ کیا گیا۔ .. حالانکہ اس کی حیثیتیں متعدد اور اس کے اثرات بے شمار تھے۔ وہ احیاءِ تعلیمات صادقۂ اسلامیہ کا داعی تھا، اسلام کی سنتِ حریت کی تجدید اور جہادِ حق و عدالت کی طرف بلاتا تھا، علم و ادب اس کا موضوعِ خاص تھے، طرزِ تحریر، مقالات و انشاء، فصول و رسائل میں وہ ایک اسلوبِ جدید اور اندازِ نو رکھتا تھا، اس نے اُردو کی صحافت کی ہر شاخ میں اپنی راہ سب سے الگ نکالی تھی، اور اصولی باتوں سے لے کر چھوٹی چھوٹی جزئیات تک میں دوسروں کی تقلید کی جگہ وہ خود اپنا نمونہ دوسروں کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا[۱] ...

(۷)

آج دنیا میں بڑے بڑے کام انجمنوں اور کمپنیوں کی صورت میں انجام دئے جاتے ہیں۔ لیکن تجربہ شاہد ہے کہ مسلمانوں کو اب تک یہ اصلی طریقۂ عمل راس نہ آیا۔ اس وقت تک علمی اور قومی خدمات کے لئے جس قدر انجمنیں قائم ہوئیں، تجارتی کاموں کے لئے جس قدر کمپنیاں بنائی گئیں، سب کا نتیجہ یا تو شکست کار اور بے ہمتی نکلا یا اگر کسی نہ کسی طرح قائم رکھی گئیں۔ لیکن ان کا وجود عدم سے زیادہ مفید نہ ہوا ...

یہی اسی بنا پر ایک مدت سے اس عاجز کا یہ خیال ہے کہ بڑے بڑے ارادوں کو ترک کر کے صورت صرف یہ کرنا چاہئے کہ ہر شخص اپنے مقدور اور امکان کے مطابق اپنے لئے ایک دائرۂ عمل بنا لے اور جس قدر تنہا طور پر کر سکتا ہے بغیر اور لوگوں کے وقت اور مال کی ذمہ داری اپنے سر لئے کرنے کے لئے مستعد ہو جائے اپنا معاملہ خدا سے رکھے اور اپنی نیتوں کو درست رکھنے کے لئے نفس سے ہر وقت برسرپیکار رہے جیسے ہر شخص کو

۱؎ الہلال، جلد ۲، ۲۰، ۲۴ جون ۱۹۱۳ء

اشخاص کی کسی جماعت اور قوم کے لئے مجموعی طور پر جماعتی کاموں سے زیادہ مفید ہو جائے، اور درحقیقت دنیا میں بڑے بڑے کام شخصوں ہی نے کئے ہیں، جماعتوں نے نہیں کئے ہیں۔

جس کام کو میں نے شروع کیا ہے یہ اسی خیال کی عملی صورت ہے۔ میرے پاس دولت نہیں ہے اور تندرستی اور طول عمر کے لئے کوئی ذریعہ علم بھی نہیں۔ نہیں جانتا کہ کل کیا ہو؟ تاہم اعتماد اللہ پر، تھوڑی سی امید اپنی نیت سے، اور یہ وعدۂ الٰہی ہر وقت پیش نظر ہے کہ: إِنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم ... وَأُنثَىٰ (میں کسی کام کرنے والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا۔ ۳ : ۱۹۴)

انسان کے قلب و دماغ پر بہت سی باتیں ایسی گزرتی ہیں جن کو وہ مرئیات و حسیات مادیہ کی طرح دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، مگر اس کو دلائل سے ثابت نہیں کر سکتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ دنیا میں خلوص، صداقت اور سچا توکل ایک ایسی طاقت ہے کہ جو کبھی ضائع اور برباد نہیں ہوتی، گو اس کے لئے میں کوئی دلیل حسی نہیں پیش کر سکوں مگر میرا دلی اذعان اس کو ایک قانونِ الٰہی کی صورت میں دیکھتا ہے اور اس پر اس سے کم یقین نہیں رکھتا جس قدر آپ کو آگ کے جلانے اور پانی کے ڈبانے پر ہے: وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا۔ کہہ نہیں سکتا کہ جس دن سے میرا دل اپنی نیت اور مقاصد کے متعلق مطمئن ہو گیا ہے اس دن سے کیسی مغلوب نہ ہونے والی طاقت بخشنے والے نے مجھ کو بخش دی ہے! البتہ مضطرب ہوں کہ میری نیتوں کو رب کریم آزمائشوں میں پڑنے کے بعد پاک و صاف رہنے کی توفیق عطا فرمائے . . .

پہلے نمبر کی اشاعت کو تین ماہ سے زیادہ کا زمانہ گزر گیا . . . الحمد للہ کہ توفیق الٰہی کی اعانت سے اب وقت آگیا ہے کہ ان کاموں کی طرف متوجہ ہوں۔ وہ کام کون سے ہیں؟ . . مختصر لفظوں میں اگر اشارہ کرنا چاہوں تو عرض کر سکتا ہوں کہ: اپنے امکان اور وسعت کے مطابق احیاء دعوت الٰہی اور [illegible] کے لئے ایک امام و [illegible] منظم دعوت الحق کا قیام؛ والسعی منی والاتمام من اللہ تعالیٰ . . . [illegible] منتظر کرتا ہوں کہ: من انصاری الی اللہ؟

الہلال: [illegible]

(۴)

مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللهِ : اَلحِزْبُ اللّٰہِ : اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ ۔

دستور العمل :-

اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ (۹ : ۱۱۲)

(الہلال جلد ۳ شمارہ ۲۳ - ۳ دسمبر ۱۹۱۳ء)

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۔ ۔ ۔ یہ ہے جماعت حزب اللہ کا مقصد وحید" (۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء)

"صرف وہ ایک ہی تحریک حق و صداقت جو مسلمانوں کو ان کی حیات انفرادی و ملی کی ہر شاخ میں مسلمان بننے کی دعوت دے" (۲ جولائی ۱۹۱۳ء)

"... حزب اللہ کے مختلف مدارج اور جماعتوں میں ایک جماعت السائحون العابدون کی ہے ... یہ محض وعظ فروشی کی بساط تجارت بچھانے والا کوئی گروہ نہ ہوگا ... بلکہ جماعت دعاۃ و سیاحین سے مقصود ایسے ارباب صدق و خلوص ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ اپنے کاموں اور اپنی نجی اور ریاست بازانہ زندگی میں قوم کے لئے ایک نمونہ ثابت ہوں گے۔ وہ مجاہدین فی سبیل اللہ کا گروہ ہے جس نے اپنی تمام بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ دنیوی امیدوں اور توقعات و تعلقات سے کنارہ کش ہو کر اور لذائذ و نعائم حیات کی امنگوں اور خواہشوں سے دل کو صاف کرکے اپنی پوری زندگی خدمت دین و ملت کے لئے وقف کر دی ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسول سے اپنی قربانی اور جاں فروشی کے عہد و میثاق کا اقرار کیا ہے۔ وہ نہ تو دنیا کے طالب ہوں گے اور نہ دنیوی عز و جاہ کے خواستگار ... وہ اللہ کی رضا اور اس کے کلمۂ حق کی خدمت کے سوا اور کچھ نہ چاہیں گے اور تمام دقتیں اور مصیبتیں جو اس راہ میں پیش آئیں گی انہیں خوشی خوشی برداشت کریں گے۔ یہی وہ کانٹے ہیں جن کی تلاش میں انہوں نے پھولوں کو چھوڑا ہے اور یہی وہ [illegible] ہیں جن کی محبت میں انہوں نے آرام و راحت کی زندگی کو اس کے دشمنوں کی طرح ٹھکرا دیا ہے۔

دیتیموں کی طرح نہیں گے، بیوہ عورتوں کی طرح ان کی خبر گیری کریں گے ۔۔۔ وہ قرآن کریم کا درس دیں گے حدیث نبوی کی تعلیمات بیان کریں گے ۔۔۔ ذکر میلاد کی محفلوں میں درود پڑھیں گے ۔۔۔ ضرورت پڑے گی تو وہ بیماروں کے شب باش تیماردار، ضعیفوں کے لئے بلا عذر خادم ۔۔۔ بچوں کے لئے مفت کے معلم غرضیکہ ہر حال میں مسلمانوں کے خادم اور مخدوم دونوں ہوں گے ۔۔۔

۔۔ جامع لفظوں میں ان کا مقصد یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے دینی اعتقادات و اعمال کی اصلاح و درستگی اور انہیں اعتقاداً و عملاً ایک سچا مسلمان راسخ الاعتقاد مومن اور اولوالعزم و بلند ارادہ مجاہد فی سبیل اللہ بنا دینے کی سعی کرنا اور مسلمانوں کے عام طبقات کے اندر تمام معلومات ضروریہ اپنے وعظ و بیان سے پیدا کرنا، جو ایک عالم اور صاحبِ فضل شخص کو از روئے علم و کتاب حاصل ہیں ۔۔۔[۱]"

(۹)

مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے تمام کاموں کی بنیاد تعلیم الٰہی پر رکھیں، نہ کہ محض کسی ترقی یافتہ قوم کی تقلید و اتباع پر یا محض اغراضِ تحصیل تمدن و سیاست و وطنیت پر۔

اسلام کی اصلی مزیت و فضیلت یہ ہے کہ اس نے ہر طرح کی صداقتوں کو خدا کے رشتے سے منسلک کر دیا ہے، اور ہر عملِ صحیح و حق کو جو اس آسمان کے نیچے کیا جائے، اس کے نزدیک خدا کا کام اور اس کی عبادت ہے۔ پس ہر مسلمان کو صداقت کا عاشق، حقانیت کے لئے مضطر، عدالت کا نگراں اور حریت کا پرستار ہونا چاہیئے کیونکہ وہ مسلمان ہے اور مسلمان وہی ہے جو اللہ کی رضا کے لئے ہر طرح کا دکھ اٹھائے، اور رضائے اللہ کی رضا اس کی راست بازی اور حق و عدل کی بیعت میں ہے ۔۔۔

جو مسلم اس کی راہ میں مجاہد نہ ہو وہ اس کے بخشے ہوئے لقب کا بھی مستحق نہیں ۔۔۔ جہاد فی سبیل اللہ کے معنی یہ ہیں کہ ہر طرح کے ظلم و تشدد، معاصی و ذنوب، اور شیطان ضلالت و فساد کے پیدا کئے ہوئے نزول باطل ۔۔۔ کی نجات دلانے کے لئے اپنی تمام قوتوں سے کام لینا اور اس راہ میں ہر طرح کا جسمانی اور مالی ۔۔۔ حق کی سولی پہ کھینچے اور جلاد کی تلوار کی بے تیغی کو بھی اس کی خاطر گوارا کر لینا ۔۔۔

حوالہ جات: ۱۔ [illegible]

مسلم و مومن وہ ہے جو اللہ کے رشتے کو تمام دنیا کے رشتوں پر ترجیح دے۔ پس کسی ہستی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اسلام کی مدعی ہو اور ساتھ ہی خدا کو چھوڑ کر دوسرے رشتوں کی گرویدہ ہو جائے۔ خدا کا رشتہ اس کی سچائی اور عدالت کی محبت میں ہے۔ جو حق کو پیار کرتا ہے وہی خدا کو بھی پیار کرنے والا ہے: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔

اسلام نے توحید کا سبق پڑھایا۔ توحید کی تکمیل کے معنی یہ ہیں کہ انسان تمام انتہائی قوتوں اور اطاعتوں اور فرمانبرداریوں کو صرف اللہ کے لئے مخصوص کر دے اور ان میں کسی کو شریک نہ کرے۔ بس چند انسانوں کو اپنا لیڈر بنا کے ان کے ہر حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کرنا، یا گورنمنٹ اور حکام کی ہر خواہش کے آگے (اگرچہ وہ حق و عدالت اور صداقت و حریت کے منافی ہو) سر جھکا دینا، ایک ایسا شرک جلی ہے جو توحید کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

اسلام کا عقیدۂ توحید انسانی حریت و آزادی کا سرچشمۂ حقیقی ہے کیونکہ جو سر صرف خدا کے آگے جھکے گا، ممکن نہیں کہ وہ انسان اور انسانوں کے غرور پادشاہت و حکومت کے آگے ذلت عبودیت سے سربسجود ہو۔ ان الحکم الا للہ
پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے اندر عبودیت الٰہی کی اصلی حقیقت پیدا کریں، اور کوئی روح خدا کے آگے وفادار نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ ان تمام قوتوں سے یکسر باغی نہ ہو جائے، جو خدا کی صداقت اور اس کی مرضیات کے خلاف ہیں۔

ملک و انسانیت کی خدمت، آزادانہ حیاتِ سیاسی و ملّی کا حصول، جد و جہد حریت، اور خود مختارانہ حکومت کے حاصل کرنے کے لئے باقاعدہ مساعی —— یہ تمام مقاصدِ صالحہ اگر دوسری قوموں کو بربنائے جذبۂ قومیت و وطنیت عزیز ہیں، تو ہر قائلِ کلمۂ توحید کو مذہباً و دنیاً محبوب ہونا چاہئیں۔ پس عزت و مجدِ اسلامی کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان تمام میدانوں میں مسلمان سب سے آگے ہوں، نہ کہ سب کے پیچھے اور غیروں کے خوشہ چیں۔ وان العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین۔

ہاں ایک اصل الاصول ہے جو اس دعوت کو ہنگامہ ہائے سیاسی و تمدنی سے الگ کرتا ہے یعنی ان تمام چیزوں کو صرف اللہ کے رشتے اور اس کی مرضیات کی متابعت کے تعلق سے حاصل کیا جائے نہ کہ محض تقلیدِ اقوام و جماعت۔ اور اس لئے سب سے پہلے عمل بالاسلام کے حبل المتین کو پکڑ لو تاکہ اس کے نتائجِ حقیقی سے ہمکنار ہو۔ والعاقبۃ للمتقین۔[۱]

۱؎ الہلال ۴: ۱۹، ۲۴ فروری ۱۹۱۳ء

(۱۰)

ہمارے عقیدے میں تو ہر وہ خیال جو قرآن سے سوا کسی تعلیم گاہ سے حاصل کیا گیا ہو ایک کفر صریح ہے اور پالٹیکس بھی اسی میں داخل ہے... الہلال کا مقصد اصلی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو ان کے اعمال و معتقدات میں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے اور خواہ تعلیمی مسائل ہوں، خواہ تمدنی، سیاسی ہوں خواہ اور کچھ، وہ ہر جگہ مسلمانوں کو صرف مسلمان دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کی صدا صرف یہی ہے کہ تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم (۳: ۵) اس کتاب اللہ کی طرف آؤ جو ہم اور تم دونوں میں مشترک ہے۔"[۱]

آپ پوچھتے ہیں کہ آجکل ہندوؤں کے دو پولیٹیکل گروہ موجود ہیں، ان میں سے آپ کس کے ساتھ ہیں گزارش ہے کہ ہم کسی کے ساتھ نہیں، بلکہ صرف خدا کے ساتھ ہیں... مسلمانوں کے لئے اس سے بڑھ کر شرم انگیز سوال نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کی پولیٹیکل تعلیموں کے آگے جھک کر اپنا راستہ پیدا کریں۔ ان کو کسی جماعت میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں... گورنمنٹ کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر ہم سچے مسلمان ہو جائیں تو جس قدر اپنے نفس کے لئے مفید ہوں، اتنا ہی گورنمنٹ کے لئے نیز اسی قدر ہمسایوں کے لئے۔ اس کو بھولنا نہیں چاہیئے کہ جو ہاتھ قرآن سے رکا ہوا ہو وہ بم کا گولہ یا ریوالور نہیں پکڑ سکتا۔ البتہ یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام نے ہم کو آزادی بخشنے اور آزادی حاصل کرنے دونوں کی تعلیم دی ہے۔ ہم جب حاکم تھے تو ہم نے آزادی دی تھی اور اب جب محکوم ہیں تو وہی چیز طلب کرتے ہیں۔"[۲]

"اسلام خدا کی بخشی ہوئی انسانی آزادی کو قائم کرنے والا، اور شخصی استبداد و جبر کا مخالف ہے۔ وہ اپنے پیروؤں کو جائز آزادی حاصل کرنے کے لئے ہر وقت حرکت میں دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ ایک جمہوریت اور مساوات کی روح ہے اور اس حکومت کو خدا کی مرضی کے مطابق نہیں سمجھتا جو پارلیمنٹری اور دستوری نہ ہو۔"[۳]

"الہلال کی اور تمام چیزوں کی طرح پالٹیکس میں بھی یہی دعوت ہے کہ نہ تو گورنمنٹ پر بے جا بھروسہ کیجئے اور نہ ہندوؤں کے ساتھ حلقہ درس میں شریک ہو جیے صرف اسی راہ پر چلئے جو اسلام کی بتائی ہوئی صراط المستقیم

[۱] الہلال، ۸ ستمبر ۱۹۱۲ء [۲] ایضاً، [۳] ایضاً ۷ ستمبر ۱۹۱۲ء، ص

"الہلال نے روزِ اوّل ہی سے ایک ہی راہ اختیار کر لی ہے ... یعنی 'دعوت الی القرآن' یا 'امر بالمعروف ونہی عن المنکر'۔"[۵]

"الہلال کوئی سیاسی اخبار نہیں ہے بلکہ ایک دینی دعوتِ اصلاح کی تحریک ہے جو مسلمانوں کے اعمال میں مذہبی تبدیلی چاہتی ہے ... الہلال اپنے ہر خیال کو خواہ وہ کسی موضوع سے تعلق رکھتا ہو، محض اسلامی اصولوں کے ماتحت ظاہر کرتا ہے۔"[۶]

"میں نے ۱۹۱۲ء میں ایک اردو جرنل 'الہلال' جاری کیا ... یہ امر واقعہ ہے کہ الہلال نے تین سال کے اندر مسلمانانِ ہند کی مذہبی اور سیاسی حالت میں بالکل نئی حرکت پیدا کر دی ... الہلال نے مسلمانوں کو تعداد کے بجائے ایمان پر اعتماد کرنے کی تلقین کی اور بے خوف ہو کر ہندوؤں کے ساتھ مل جانے کی دعوت دی۔ اس سے وہ تبدیلیاں رونما ہوئیں جن کا نتیجہ آج متحدہ خلافت و سوراج ہے۔ بیوروکریسی ایک ایسی تحریک کو زیادہ عرصہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے پہلے الہلال کی ضمانت ضبط کی گئی، پھر جب البلاغ کے نام سے دوبارہ جاری کیا گیا تو ۱۹۱۶ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے مجھے نظر بند کر دیا۔ میں تبلانا چاہتا ہوں کہ الہلال تمامتر آزادی یا موت کی دعوت تھی۔ اسلام کی مذہبی تعلیمات کے متعلق اس نے جس مسلک بحث و نظر کی بنیاد ڈالی اس کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے، صرف اس قدر اشارہ کروں گا کہ ہندوؤں میں آج مہاتما گاندھی مذہبی زندگی کی جو روح بیدار کر رہے ہیں، الہلال اس کام سے ۱۹۱۴ء میں فارغ ہو چکا تھا۔"[۷]

(۱۱)

توائے کرمِ سخن گستران بے شینی ... مباش منکر غالب کہ در زمانہ تست

الہلال تمام عالمِ اسلامی میں پہلا ہفتہ وار پرچہ ہے جو ایک ہی وقت میں دعوتِ دینیہ اسلامیہ کے احیاء، درسِ قرآن وسنت کی تجدید، اعتصام بحبل اللہ المتین و وحدتِ کلمہ امتِ مرحومہ کی تحریک کا لسان الحال اور نیز مقالاتِ علمیہ وفصولِ ادبیہ، ومضامین وعناوین سیاسیہ وعلمیہ کا معمور ومرصع مجموعہ ہے۔ اس کے درسِ قرآن وتفسیر وبیانِ حقائق ومعارف کتاب اللہ الحکیم کا اندازِ مخصوص محتاجِ تشریح نہیں۔ اس کے

---

۵ الہلال، ۹ جولائی ۱۹۱۳ء، ۶ ایضاً ۲ اکتوبر ۱۹۱۳ء، ۷ قولِ فیصل، ص ۷۰ [illegible]

طرزِ انشاء و تحریر نے اردو علم و ادب میں دو سال کے اندر ایک انقلابِ عام پیدا کر دیا ہے۔ اس کے طریقِ استدلال و استشہادِ قرآنی نے تعلیمات الالٰہیہ کی محیط الکل عظمت و جبروت کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ اس درجہ عجیب و موثر ہے کہ الہلال کے اشد شدید و اعدی عدو مخالفین و منکرین تک اس کی تقلید کرنے کے ساعی ہیں اور اس طرح زبانِ حال سے اقرار و اعتراف پر مجبور ہیں۔ اس کا ایک ایک لفظ، ایک ایک جملہ، ایک ایک ترکیب، بلکہ تمام طریقِ تعبیر و ترتیب و اسلوب و نہجِ بیان اس وقت تک تمام اردو ذخیرہ میں مجددانہ و مجتہدانہ ہے۔

قرآن کریم کی تعلیمات اور شریعت الالٰہیہ کے احکام جامع دین و دنیا و حاوی سیاست و اجتماعیت ثابت کرنے میں اس کا طریقِ استدلال و بیان انہی خصوصیات کے لحاظ سے کوئی قریبی مثال تمام عالمِ اسلامی میں نہیں رکھتا۔

وہ تمام ہندوستان میں پہلی آواز ہے جس نے مسلمانوں کو ان کے تمام سیاسی و غیر سیاسی معتقدات و اعمال میں اتباعِ شریعت کی تلقین کی، اور سیاسی آزادی و حریت کو عین تعلیماتِ دین و مذہب کی بنا پر پیش کیا، یہاں تک کہ دو سال کے اندر ہی اندر اُسے ہزاروں دلوں، ہزاروں زبانوں اور صدہا اقلام و صحائف سے معتقدانہ نکلوا دیا۔

وہ ہندوستان میں پہلا رسالہ ہے جس نے موجودہ عہد کے اعتقادی و عملی الحاد کے دور میں توفیقِ الٰہی سے عمل بالاسلام و القرآن کی دعوت کا از سرِ نو غلغلہ بپا کر دیا، اور بلا ادنیٰ مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے مطالعے سے بے تعداد و بیشمار متشککین، مذبذبین، متفرنجین، ملحدین اور تارکین اعمال و احکام، راسخ الاعتقاد مومن، صادق الاعمال مسلم اور مجاہد فی سبیل اللہ مخلص ہو گئے ہیں اور شہر کے شہر ہیں جن میں ایک نئی مذہبی بیداری پیدا ہو گئی ہے۔[۱]

گہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

... (الہلال) کی مقبولیت اور قدر و قیمت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۱۸ء میں بعض شائقینِ علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل سٹ سات سو روپے میں خریدا، اور حال ہی میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل صاف چار سو روپے میں حیدرآباد سے خرید کی ہے۔[۲]

الہلال ۱۵ جولائی ۱۹۱۲ء اشتہار۔ [۲] ایضاً، ۱۰ نومبر ۱۹۱۴ء اشتہار: استمرار الاعلان فی مجلدات الہلال۔

(۱۲)

نازم بغریب صلح کہ غالب ز کوئے دوست　　　ناکام رفت و خاطر امیدوار بود

بالآخر وہ ڈیپوٹیشن جس کا تذکرہ بعض اخبارات میں شروع ہو گیا تھا، ۲۰ مارچ کی سہ پہر کو ہز ایکسلنسی لارڈ ہارڈنگ کے سامنے پیش ہوا!

بتوں کی دید کو جاتا ہوں دیر کو قائم　　　مجھے کچھ اور ارادہ نہیں خدا نہ کرے

ایک مفصل ایڈریس کے ذریعہ مسلمانوں کی امن پسندی اور وفاداری کے میثاق قدیم کی، زبان معترف اور سر اطاعت کے ساتھ تجدید کی گئی:

یقین عشق کن و از سر گماں برخیز

ایڈریس میں اس کے سوا اور کچھ نہ تھا، اور ہونا بھی نہیں چاہئیے تھا:

جز سجدہ متاع دگر از کس نہ پذیرفت　　　خاکے کہ ز نقش قدم او اثرے داشت

.... مولانا فیض الحسن مرحوم عربی کے ادیب تھے، اُردو کے شاعر نہ تھے، تاہم کبھی کبھی اچھے شعر کہہ جاتے تھے۔ ایک ان کا یہ معاملہ شعر مجھے نہیں بھولتا:

پہلے ہی اپنی کون سی تھی قدر و منزلت　　　پر شب کی منتوں نے ڈبو دی رہی سہی

ایڈریس میں بنیادِ کار یہ قرار دی گئی تھی کہ مسلمان اپنے کاموں میں مصروف تھے، یکایک ٹرکی کے مصائب پیش آ گئے۔ اس سے ان کے حواس مختل اور دل بے قابو ہو گئے۔ یہ بڑا نازک وقت تھا اور:

ہست ایں قصۂ مشہور و تو ہم می دانی

لیکن بایں ہمہ اختلال حواس.. وفاداری اور اطاعت کیشی کی جبل المتین ان کے ہاتھوں سے نہ چھوٹی۔

.... جواب میں ارشاد ہوا کہ ہاں سچ ہے ... البتہ جو کہیں کہیں سخت الفاظ بھی استعمال کئے گئے تو اس عرضِ نیاز اور قبولیتِ خسروی سے اسے مستثنیٰ کر دیجئے۔ ایسا ہوتا تو بہتر تھا کہ آبگینۂ عبودیت کے لئے یہ حرفِ گراں بھی سخت تھے۔

نسیم صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا

یہ ایک واقعی بات تھی جو ایڈریس میں کہی گئی لیکن اگر آپ چاہتے تو دوسری سچائیوں کو [illegible]

بھی اسے پیش کر سکتے تھے۔ یہ کہنا کہ مسلمانوں کی پہلی بے چینی کا سبب صرف باہر کے اسلامی مصائب تھے محض غلط ہے' اور اتنا غلط کہ دروغِ مصلحت آمیز بھی نہیں ہے۔ ان کی بے چینی باہر کے مصائب سے بھی تھی اور اندرونی مصیبتوں سے بھی۔ وہ سرایڈورڈ گرے کو اٹلی اور بلقان کے دعوے میں شریک پاتے تھے اور مسٹر ایسکوئتھ کو ایک صلیبی مجاہد کی طرح اس جنگ کو اسلام اور مسیحیت کے رنگ میں ظاہر کر کے خوشیاں مناتے تھے۔ . . . .

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ کانپور کا خونیں واقعہ پیش آیا، ایک ایسی ظالمانہ خونریزی کی گئی جس کا سرخ دھبہ کبھی بھی دامنِ حکومت سے محو نہیں ہو سکتا۔ پھر کیا کانپور کی مسجد اور پیروانِ اسلام کی خونچکاں لاشوں کا نظارہ صرف باہر ہی کے مصائب اسلامی میں داخل ہے۔

ایڈریس کے جواب میں ہز ایکسیلنسی نے مرحوم سر سید احمد کی پالیسی کا بھی ذکر کیا ہے، اور ہم خوش ہیں کہ ہندستان کے ایک بہت بڑے آدمی کا انھوں نے عمدہ تخاطب کے ساتھ ذکر کیا۔ لیکن اگر اس سے ان کا مقصود مرحوم کی پولیٹکل پالیسی ہے تو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارا ایکرل وائسرائے ایک ایسی بات کی امید رکھتا ہے جس کے کہنے کا وقت گذر گیا۔ مسلمانوں کی اس سے پہلے بھی کوئی پولیٹکل پالیسی نہ تھی، اور اگر تھی تو الحمد للہ کہ مر چکی ہے اور وہ جنت نصیب اب دوبارہ دنیا میں نہ آئے گی۔

نکل گئی ہے وہ کوسوں دیارِ حرماں سے

جواب کا خاتمہ ان لفظوں پر ہوا:

"مجھے پوری امید ہے کہ خدا کی وحدانیت اور حکمراں کی وفاداری کی بابت آپ کے پاک اور خالص مذہب کا جو عقیدہ ہے، وہ ہمیشہ ایک شعلے کی مانند روشن رہے گا۔"

ہم مسلمان ہیں اور تیرہ سو برس سے صرف اس لئے ہیں کہ خدا کی وحدانیت کا حفظ کریں اور ہر طرح کی باطل پرستیوں کو جو اس راہ میں مانع ہوں، اپنی خدا پرستانہ طاقت سے مٹا دیں۔ . . . .

معلوم ہوتا ہے کہ ہز ایکسیلنسی کو اسلام کے بنیادی عقائد کی صحیح خبر نہیں دی گئی۔ انھوں نے عقیدۂ توحید کے ساتھ حکمراں کی وفاداری کا بھی اسی طرح ذکر کیا ہے، گویا یہ بھی مثل عقیدۂ توحید کے اسلام کا کوئی اساسی اعتقاد ہے' بالکل صحیح نہیں اور بہت جلد اس کی غلطی انھیں محسوس فرمالینی چاہیئے۔ . . . بے شک ہندوستانی مسلمانوں

جس پہ اسلام کی عمارت قائم کی گئی ہے۔ مگر خدا کے ساتھ کی وفاداری نہ کسی اور کی۔ البتہ مسلمانوں کو امن پرستی اور حق کے تحفظ کے ساتھ اطاعت کیشی کا حکم عقل اور مصالح جزئی اور عام اخلاقی احکام کے تحت دیا گیا ہے۔ مگر نہ تو یہ اسلام کا کوئی بنیادی عقیدہ ہے اور نہ عقیدۂ توحید کی حرمت اس کو گوارا کر سکتی ہے کہ خدا کی وفاداری کے ساتھ اس کے بندوں کی وفاداری کا ذکر کیا جائے۔

گفتے در دل ما یافتہ را ہ۔

نحن لا نعبد الا ایاہ[۵]

الجہاد! الجہاد! — الجہاد فی سبیل الحریۃ — انفروا خفافاً و ثقالاً

وفاداری اور بغاوت، دونوں کا وقت آ گیا — وفاداری گورنمنٹ سے اور بغاوت مفسد لیڈروں سے۔

فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ (۳: ۱۷۰)

کسی سے مت ڈرو، اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

اس وقت ہے دعا و اجابت کا وقت سحر ‖ اک نالہ تو بھی پیش جہ گاہ کر

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُوْنَ	اے یاران مجلس! بہت سے مالک اور آقا بنا لینا
خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ، مَا	اچھا ہے یا ایک ہی خدائے قہار کے آگے جھکنا، تم
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اِلَّا اَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوْهَا	جو اللہ کو چھوڑ کر اور معبودوں کو پوج رہے ہو، تو
اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ	یہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ چند نام ہیں جو تم نے اور
سُلْطَانٍ، اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ، اَمَرَ اَلَّا	تمہارے پیش روؤں نے گھڑ لیے ہیں، حالانکہ خدا نے
تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ، ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ	تو ان کے لیے کوئی سند بھی نہیں۔ بس اگر ہو یقین کرو
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔	کہ تمام جہان میں حکومت صرف اس ایک خدا کے لئے
(۱۲: ۴۰)	ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اسی کے آگے جھکو یہی

دینِ اسلام کا سیدھا راستہ ہے لیکن اکثر لوگ ہیں جو نہیں جانتے۔

---

۵ الہلال ج ۲: ۱۳، اپریل ۱۹۱۳ء۔

جو ہونیوالا ہے اس کو کوئی قوم اپنی نحوست سے نہیں روک سکتی۔ یقیناً ایک دن آئے گا جبکہ ہندستان کا سیاسی انقلاب ہو چکا ہوگا، غلامی کی وہ بیڑیاں جو اس نے خود اپنے پاؤں میں ڈال لی ہیں، بیسویں صدی کی ہوائے حریت کی تیغ سے کٹ کر گر چکی ہوں گی، اور وہ سب کچھ ہو چکے گا جس کا ہونا ضروری ہے۔ فرض کیجئے کہ اس وقت ہندستان کی ملکی ترقی کی ایک تاریخ لکھی گئی، تو آپ کو معلوم ہے کہ اس میں سات کروڑ انسانوں کی نسبت کیا لکھا جائے گا؟

اس میں لکھا جائے گا کہ ایک بدبخت اور زبوں طالع قوم جو ہمیشہ ملکی ترقی کے لئے روک، ملک کی فلاح کے لئے ایک بدقسمتی، راہِ آزادی میں ایک سنگِ گراں، حاکمانہ طمع کا کھلونا، دستِ اجانب میں بازیچۂ لعب، ہندوستان کی پیشانی پر ایک گہرا زخم، اور گورنمنٹ کے ہاتھ میں ملک کی امنگوں کو پامال کرنے کے لئے ایک بہترین کر رہی۔

اس میں لکھا جائے گا کہ ایک قابلِ رحم مگر مسحور انسانوں کا گلہ، جس کے ہر فرد کو کسی زبردست کاہن نے اپنے سحر سے جانور بنا دیا تھا، جو اپنے ہنکانے والے آقا کے ہاتھ میں اپنی گردن کی رسی دیکھتی تھی، جس میں کوئی انسانی ارادہ کوئی انسانی دماغ، کوئی انسانی حرکت، اور کوئی انسانی زندگی کا ثبوت نہ تھا۔ جو نہ اپنے دماغ سے سوچ سکتی تھی نہ اپنی آواز سے بول سکتی تھی ۔۔۔ ۔

اگر تم کہو کہ تاریخِ ہند میں ہمارے لئے بھی شرف وعظمت کا باب ہوگا تو تم خاموش رہو، اور مجھ سے کہو کہ میں آگے بڑھ دوں۔ بیشک ایک باب ہوگا، مگر جانتے ہو کہ اس میں کیا ہوگا، اس میں لکھا ہوگا کہ ہندستان ملکی ترقی اور ملکی آزادی کی راہ میں بڑھا، ہندوؤں نے اس کے لئے اپنے سروں کو ہتھیلی پر رکھا، مگر مسلمان غاروں میں چھپ گئے، انھوں نے پکارا مگر انھوں نے اپنے منہ اور زبان پر قفل چڑھا لئے۔ ملک غیر منصفانہ قوانین کا شاکی تھا، ہندوؤں نے اس کے لئے جہاد شروع کیا، پر اس قوم مجاہد نے یہی نہیں کیا کہ صرف چپ رہے، بلکہ مجنونانہ چیخ اٹھے کہ تمام کام کرنے والے باغی ہیں۔

اس کے بعد آنیوالا مورخ ۔ ۔ لکھے گا کہ بالآخر وہ سب کچھ ہوا جو ہونا تھا، بیسویں صدی میں کوئی ملک غلام نہیں رہ سکتا تھا اور نہیں رہا۔ ۔ لیکن دنیا یاد رکھے گی کہ جو کچھ ہوا اس قوم کی سرفرازی سے ہوا جو مسلم نہ تھی۔ الہلال، ۱۳۳۱

بیشک ہندستان اپنے دروازے پر بڑے بڑے تاجداروں کو دیکھ چکا ہے، جو اس کے عروج و اقبال کی بہار دیکھنے آئے تھے، لیکن شاید سید محمد رشید رضا پہلا سیاح تھا جو اس کے عروج و اقبال کی بہار دیکھنے کے لئے نہیں بلکہ ادبار و زوال کی خزاں پر ماتم کرنے کے لئے آیا تھا، جس سرزمین پر سکندر و تیمور قدم رکھ چکے ہوں وہاں اس فقیر بے نوا کا کیا

ذکر، لیکن ان کے ہاتھوں میں تلواریں نہیں اور اس کے پہلو میں دل تھا، وہ انسانوں کو زخمی کرتے تھے اور اس کا دل خود ہر ذلت سے زخمی تھا، آٹھ سو برس ہوئے کہ اسلامی شوکت و عظمت کا قافلہ دجلہ و فرات کے کنارے سے چلا مگر سرزمین ہند کی رشک عالم ہوا اسے راس نہ آئی اور گنگا اور جمنا کے کنارے لوٹا گیا، وہ دن قبل کا پیام آیا تھا کہ اس برباد شدہ قافلے کی لٹی ہوئی نشانیوں پر دو چار آنسو بہائے اور ان سے پوچھے کہ

تو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کئے![1]

یہ عجیب بات ہے کہ پچھلی صدی کے آخری نصف میں تقریباً تمام ممالکِ اسلامیہ میں اصلاح و تغیر کے لئے یکساں تحریکیں پیدا ہوئیں، مگر اس سے بھی عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ مختلف اسلامی ملکوں کی اصلاح و تجدید کی تاریخیں ایک ہی شخص سید جمال الدین افغانی کے ظہور سے شروع ہوتی ہیں جو فی الحقیقت تاریخ اسلام کے سنین آخرہ کا سب سے بڑا شخص تھا۔ خیالات و افکار کا پیدا کرنا آسان ہے مگر خیالات و افکار کے بقا و قیام کے لئے اشخاص کا پیدا کرنا مشکل ہے، اور مصلح کے لئے جن پیغمبرانہ اوصاف کی ضرورت ہے، ان میں اولین وصف یہی ہے۔ سید جمال الدین کا اصلی کارنامۂ غیر فانی یہ تھا کہ زمانہ نے خود اس کو کام کرنے کی مہلت بہت کم دی، لیکن وہ اپنے اندر ایسی قوت تخلیق رکھتا تھا کہ جہاں جاتا تھا اپنی تحریک کو زندہ رکھنے کے لئے نئے جمال الدین پیدا کر لیتا تھا۔[2]

مخالفت اس لئے نہیں کی جاتی کہ موافقت کی صدائیں بلند ہوں۔۔ بلکہ صرف اس لئے کی جاتی ہے کہ ایمان اور ضمیر کا حکم ہوتا ہے کہ ایسا کرو۔۔ کوئی سچی بات اس لئے نہیں ترک کر دی جاتی کہ لوگ اس کا استقبال نہیں کریں گے۔ سچ سچ ہے، اگرچہ تمام عالم میں ایک بھی اس کا دوست نہ ہو۔[3]

الہلال کی ترتیب اور دائمی مشغولیت کے لئے جس طرح ایک پوری جانکاہ اور دماغ پاش زندگی چاہیے اس کا اندازہ میرے دوستوں کو نہیں:

بخرام سوئے کلبۂ احزاں من شبے تا بنگری کہ عشق تو با ما چہ می‌کند[4]

---

[1] الہلال، مرا ساپچ ۱۹۱۳ء [2] ایضاً ۱۳ جولائی ۱۹۱۳ء [3] ایضاً ۱۷ جنوری ۱۹۱۳ء [4] ایضاً ۱۳ جولائی ۱۹۱۳ء